© rasailojaraid.com

جماعتِ اسلامی کی دعوت

[پچھلے سال ۹-۱۰ مئی کو دارالاسلام (پٹھانکوٹ) میں جماعت اسلامی کا جو اجتماع منعقد ہوا تھا، افسوس ہے کہ اس کی روداد مشرقی پنجاب کے فسادِ عظیم کی نذر ہوگئی بلکہ اس کے مسوّدات کا بھی بڑا حصہ دینا نگر میں ہمارے کاتب کی خانہ بربادی کے ساتھ تلف ہوگیا۔ اب خوش قسمتی سے کاغذات میں میری دو تقریروں کے مسودے مل گئے ہیں جنہیں اجتماع کے بعد قلمبند کیا گیا تھا۔ پہلی تقریر افتتاحی تقریر تھی جس میں جماعت اسلامی کے مقصد کی تشریح کی گئی تھی۔ دوسری تقریر جلسۂ عام میں کی گئی تھی اور اس میں "بناؤ اور بگاڑ" سے متعلق سنت اللہ کو تفصیل بیان کیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں تقریریں ڈیڑھ سال پرانی ہو چکی ہیں، مگر ان کا مضمون پرانا نہیں ہوا ہے۔ توقع ہے کہ ان کا مطالعہ ناظرین کے لئے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔]

رفقا اور حاضرین! سب سے پہلے میں آپ سب حضرات کو خدا سے ڈرنے اور اس کی ناراضی سے بچنے اور اسی کی خوشنودی چاہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ ہماری اس دعوت کا سارا انحصار ہی تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ پر ہے۔ کوئی شخص خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا، بلکہ سچ یہ ہے کہ خود راہ راست پر قائم بھی نہیں رہ سکتا، اگر خدا کا خوف اس کے دل میں نہ ہو اور تقویٰ کی گرفت اس کی خواہشات پر مضبوط نہ ہو اور اس کی تمام سعی و جہد اور دوڑ دھوپ میں رضائے الٰہی کی طلب کار فرما نہ ہو۔ دُنیا میں آدمی کی راست روی کی ضامن صرف ایک ہی چیز ہے، اور وہ ہے خدا کا خیال۔ یہ خیال اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی دل سے نکل جائے، اگر ذرا سی غفلت بھی طاری ہو جائے، تو انسان کا قدم سیدھی راہ سے ہٹنے لگتا ہے۔ پھر جسے محض راہ راست پر چلنا ہی نہ ہو بلکہ دنیا کو اس پر چلانا اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس کی طرف کھینچ کر لانا بھی ہو، اس کے لئے تو ناگزیر ہے کہ خدا سے اس کا تعلق ہر وقت مضبوط اور خدا کی طرف اس کی توجہ ہر آن مرکوز رہے، ورنہ اس سے غافل ہو کر وہ اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہوئے نہ معلوم کس کس قسم کے فسادوں کا مرتکب ہو جائیگا۔ لہٰذا میری پہلی نصیحت آپ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان سب لوگوں کو جو اس تحریک میں حصّہ لینا چاہیں، یہ ہے کہ اپنے ذہن میں اللہ کی ذات و صفات کا تصوّر ہر وقت تازہ رکھیں اور اپنے تمام کاموں میں اسی کی خوشنودی پر نظر جمائے رہیں۔ جن تحریکوں کے پیشِ نظر صرف دنیا اور اس کے معاملات ہی ہیں وہ تو چل سکتی ہیں بغیر اس کے کہ خدا کا خیال کبھی دل میں آئے، مگر یہ تحریک ایک قدم بھی ٹھیک نہیں چل سکتی جب تک کہ اس کے خادم پورے شعور کے ساتھ خدا سے خشیت اور تقویٰ اور رضا طلبی کا تعلق نہ جوڑے رکھیں۔

دوسری چیز جس کی میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں، یہ ہے کہ آپ صرف اس اجتماع میں بلکہ اپنے تمام اجتماعی کاموں میں نظم و ضبط اور سکون و وقار اور اسلام کے دوسرے اجتماعی آداب کی پوری پوری پابندی ملحوظ رکھیں۔ بلاشبہ اس معاملہ میں آپ نے پچھلے چند برسوں کے اندر نمایاں ترقی کی ہے جس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، یہ محض خدا کا فضل اور اس کے دین کی برکت ہے کہ آپ اتنی قلیل مدت میں اپنے اجتماعی برتاؤ کو اس قدر منظم، مہذب اور باوقار بنانے میں کامیاب ہو گئے جو اب بھی اپنی ابتدائی حالت ہی میں، اس ملک کی تمام دوسری جماعتوں پر بیّن امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن آپ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ آخری حد ہے جس پر آپ پہنچ چکے ہیں۔ ابھی آپ کو اپنی بہت سی خامیوں کی تلافی کرنی ہے۔ بہت سی اجتماعی خوبیوں کو اپنے اندر پرورش کرنا ہے، اور ابھی بہت فاصلہ پر ہے وہ حدِ کمال جس پر آپ کو پہنچنا ہے۔ آپ اپنے مقصد کے لئے دنیا کی جن زبردست طاقتوں کے مقابلہ میں جدوجہد کرنے اٹھے ہیں وہ آج نظم و ضبط کی انتہائی حد پر پہنچی ہوئی ہیں اور ان کے مقابلہ میں آپ کا نظم ابھی کسی شمار میں آنے کے قابل نہیں ہے۔ اگر آپ کے پیشِ نظر محض کسی ایک چھوٹے یا بڑے علاقے میں صرف انتظام کرنے والے ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے بلکہ سرے سے اس نظام کو بدل دینا ہے جس پر نوعِ انسانی کی زندگی کا انتظام اس وقت چل رہا ہے، تو آپ کو سمجھنا چاہئیے کہ اس غرض کے لئے آپ کو آخری فیصلہ کن مقابلہ ہندوستان کے مقتدیوں سے نہیں بلکہ مغرب کے اماموں سے پیش آئے گا اور ان کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری پوری قوموں کو باقاعدہ سوچنے، باقاعدہ کام کرنے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منتظم اجتماعی سعی کرنے کی ایسی مکمل تربیت دی ہے جس کے ثمرات پچھلی جنگ میں ساری دنیا دیکھ چکی ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ جنگ کیسی تھی اور کتنے ناپاک مقاصد کے لئے تھی۔ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ دنیا کے ان مفسد اماموں نے تنظیم اور انضباط اور مرتب اجتماعی عمل کا جو کمال دکھایا ہے کیا اس کے مقابلہ میں کوئی مصلح امامت کبھی قائم ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ ان صفات میں ان سے بازی نہ لے جائے؟ پہلے بھی امامت دنیا میں انقلاب اسی وقت آیا تھا جب صحابۂ کرام نے محض اپنے عقیدہ و مقصد کی پاکیزگی اور اپنے اخلاق کی فضیلت ہی سے نہیں بلکہ اپنی تنظیم سے بھی دنیا کے آئمہ شر کو شکست دے دی تھی۔ اور اب بھی یہ انقلاب اس کے بغیر رونما نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ اس کے خواہشمند ہیں وہ اپنے آپ کو افکار، اخلاق اور انتظامی صلاحیت میں دنیا کے موجودہ منتظمین سے فائق تر ثابت کر دیں۔

تیسری بات جس کی طرف میں اس موقع پر آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ آپ اجتماع کے ان دنوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور دوسری قسم کی دلچسپیوں میں وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ یہ دو تین دن جو سال میں ایک مرتبہ آپ کو ملتے ہیں، ان کو غنیمت سمجھئے اور ان کے ایک ایک لمحے کو اپنے نصب العین کی خدمت کے لئے استعمال کیجئے۔ دوسری باتوں کے لئے دوسرے اوقات بہت ہیں۔ اگرچہ ایک وہ شخص جو اس مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنا چکا ہو، دوسرے اوقات میں بھی اپنے ذہن کو دوسری فکروں میں الجھانا اور اپنی قوت کو دوسری غیر متعلق باتوں میں صرف کرنا پسند نہ کرے گا، لیکن خصوصیت کے ساتھ اجتماع کے ایام میں تو کسی شخص کا دوسری باتوں اور دلچسپیوں میں مشغول ہونا اس بات کی کھلی علامت ہے کہ اُسے اپنے اس نصب العین کے ساتھ کوئی دلی لگاؤ نہیں ہے۔ اس وقت آپ کی پوری جماعتی طاقت ایک جگہ مجتمع ہے۔ تمام مختلف مقامات کے رفقاء یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ بہت سے کارکن ہمدرد، عام متاثرین اور جویائے حال اصحاب بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس قیمتی موقع سے پورا فائدہ اٹھائیے۔ دور و نزدیک کے رفقاء سے تعارف پیدا کیجئے۔ باہم سر جوڑ کر مشورے کیجئے۔ آپس میں تعاون کی تدبیریں سوچئے۔ ہمدردوں کے جذبۂ اخلاص و عمل کو ابھاریئے اور نئے لوگوں کو اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت سمجھایئے اور اپنی تمام فکر کو اس سوال پر مرکوز کر دیجئے کہ ہم اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے کیا کیا تدبیریں کس کس طرح کر سکتے ہیں۔ آپ کو چاہئیے کہ اجتماعات کے لئے جب آپ نکلیں اُس وقت سے لے کر اپنے گھروں کو واپس ہونے تک اپنے آپ کو راہِ خدا میں سمجھیں اور اس دوران میں آپ کی ساری فکر، تمام توجہ اور پوری مصروفیت اسی دعوتِ حق اور اس کے متعلق امور کے لئے وقف ہو۔

اب میں چند الفاظ ان حضرات سے بھی کہنا چاہتا ہوں جو یہ معلوم کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں کہ یہ اجتماع کیسا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو ہم سے کچھ نہ کچھ پہلے بھی واقف ہوں گے، مگر بعض ایسے بھی ضرور ہوں گے جو آج پہلی مرتبہ ہم سے روشناس ہو رہے ہیں۔ ایسے اصحاب ہماری پوری بات تو ہمارے لٹریچر کے مطالعہ ہی سے سمجھ سکتے ہیں، مگر میں کوشش کروں گا کہ مختصر الفاظ میں اس جماعت کی دعوت کا خلاصہ صاف اور واضح طور پر ان کے سامنے پیش کر دوں تاکہ یہ تعارف ان کے تفصیلی مطالعہ کے لئے مددگار ہو سکے۔

ہماری یہ جماعت جس غرض کے لئے بھی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں، اور آغاز کار کے طور پر اس ملک میں، ایک ایسی سوسائٹی منظم کی جائے جو اسلام کے اصلی اصولوں پر شعور و اخلاص کے ساتھ خود عامل ہو، دنیا کے سامنے اپنے قول و عمل سے اس کی صحیح نمائندگی کرے، اور بالآخر جہاں جہاں بھی اس کی طاقت جڑ پکڑ جائے وہاں کے افکار، اخلاق، تمدن، معاشرت، سیاست اور معیشت کے نظام کو موجودہ دہریت و مادہ پرستی کی بنیادوں سے اکھاڑ کر سچی خدا پرستی، یعنی توحید کی بنیاد پر قائم کر دے۔ اس جماعت کو یہ یقین ہے کہ موجودہ تہذیب اور اس کا پورا نظامِ زندگی جن اصولوں پر قائم ہے وہ قطعاً فاسد اصول ہیں اور اگر دنیا کا انتظام انہی اصولوں پر چلتا رہا تو وہ بڑے ہولناک نتائج سے دوچار ہوگی ــــ اس کے جو نتائج اب تک نکل چکے ہیں وہ بھی کچھ کم ہولناک نہیں ہیں، مگر انہیں کوئی نسبت اس انجام کی ہولناکی سے نہیں ہے جس کی طرف یہ تہذیب دنیا کو لئے جا رہی ہے ـــــ اور یہ ظاہر ہے کہ ہم اس دنیا سے کہیں باہر نہیں جی رہے ہیں بلکہ اس کے اندر ہی سانس لے رہے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم ان اصولوں کو فاسد اور بدانجام سمجھتے ہوئے بھی منفعلانہ طریقے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Passively) اسی نظام کے تحت زندگی بسر کئے چلے جائیں اور تہذیب حاضر کے مغربی اماموں اور مشرقی مقلدوں کی پیشوائی و سربراہ کاری کے آگے سپر ڈالے رہیں تو جس تباہی کے گڑھے میں یہ دنیا گرے گی اسی میں اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی جا گریں گے اور ہم اس انجام کے مستحق ہونگے۔ ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں، اور اپنے اس علم پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا نے انسان کی رہنمائی کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو ہدایت نازل کی ہے اسی کی پیروی میں ہماری اور سب انسانوں کی فلاح مضمر ہے، اور انسانی زندگی کا پورا نظام اسی وقت صحیح چل سکتا ہے جبکہ اسے اُن اصولوں پر قائم کیا جائے جو انسانوں کے خالق کی دی ہوئی اس ہدایت میں ہم کو ملتے ہیں۔ ہمارے اس علم ویقین سے یہ فرض خود بخود ہم پر عائد ہو جاتا ہے ——— اور یہی فرض خدا نے بھی اپنے مطیع فرمان بندوں پر عائد کیا ہے ——— کہ ہم اُس نظامِ زندگی کے خلاف جنگ کریں جو فاسد اصولوں پر چل رہا ہے اور وہ صالح نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کریں جو خدائی ہدایت کے دئے ہوئے اصولوں پر مبنی ہو۔ یہ کوشش ہمیں صرف اسی لئے نہیں کرنی چاہیئے کہ دنیا کی خیر خواہی ہم سے اس کا مطالبہ کرتی ہے۔ نہیں، ہم خود اپنے بھی سخت بدخواہ ہونگے اگر اس سعی وجہد میں اپنی جان نہ لڑائیں کیونکہ جب اجتماعی زندگی کا سارا نظام فاسد اصولوں پر چل رہا ہو، جب باطل نظریات وافکار ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہوں، جب خیالات کو ڈھالنے اور اخلاق وسیرت کو بنانے کی عالمگیر طاقتوں پر فاسد نظام تعلیم، گمراہ کن ادبیات، فتنہ انگیز صحافت اور شیطنت سے لبریز ریڈیو اور سنیما کا تسلط ہو، جب رزق کے تمام وسائل پر ایک ایسے معاشی نظام کا قبضہ ہو جو حرام وحلال کی قیود سے ناآشنا ہے، جب تمدن کی صورت گری کرنے اور اس کو ایک خاص راہ پر لے چلنے کی ساری طاقت ایسے قوانین اور ایسی قانون ساز مشینری کے ہاتھ میں ہو جو اخلاق وتمدن کے سراسر مادہ پرستانہ تصورات پر مبنی ہیں، اور جب قوموں کی امامت اور انتظام دنیا کی پوری زمام کار اُن لیڈروں اور حکمرانوں کے ہاتھ میں ہو جو خدا کے خوف سے خالی اور اس کی رضا سے بے نیاز ہیں اور اپنے کسی معاملہ میں بھی یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ ان کے خالق کی ہدایت اس معاملہ میں کیا ہے، تو ایسے نظام کی ہمہ گیر گرفت میں رہتے ہوئے ہم خود اپنے آپ کو ہی اس کے بُرے اثرات اور بدترنتائج سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کب بچا سکتے ہیں۔ یہ نظام جس جہنم کی طرف جا رہا ہے اسی طرف وہ دنیا کے ساتھ ہمیں بھی گھسیٹے لئے جا رہا ہے۔ اگر ہم اس کی مزاحمت نہ کریں اور اس کو بدلنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگائیں تو یہ ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی دنیا خراب اور عاقبت خراب تر کر کے چھوڑے گا۔ لہٰذا محض دنیا کی اصلاح ہی کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے بچاؤ کے لئے بھی یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے ——— اور یہ سب فرضوں سے بڑا فرض ہے ——— کہ ہم جس نظامِ زندگی کو پوری بصیرت کے ساتھ فاسد و مہلک جانتے ہیں اسے بدلنے کی سعی کریں اور جس نظام کے برحق اور واحد ذریعۂ فلاح و نجات ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اسے عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔

اس مختصر گذارش سے آپ یہ بات پا گئے ہوں گے کہ ہمارا اصل مدعا موجودہ نظام کے چلانے والے ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے بلکہ خود نظام کا بدلنا ہے۔ ہماری کوششوں کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نظام تو یہی رہے اور انہی اصولوں پر چلتا رہے مگر اس کو مغربی نہ چلائے مشرقی چلائے، یا انگریز نہ چلائے ہندوستانی چلائے، یا ہندو نہ چلائے "مسلمان" چلائے۔ ہمارے نزدیک محض ہاتھوں کے بدل جانے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ سور تو بہرحال سور ہی ہے اور اپنی ذات میں ناپاک ہے، خواہ اسے کافر باورچی پکائے یا مسلمان باورچی۔ بلکہ مسلمان باورچی کا سور پکانا اور بھی زیادہ افسوسناک ہے اور گمراہ کن بھی۔ بہت سے بندگانِ خدا، حتیٰ کہ اچھے خاصے پرہیزگار لوگ بھی اس ظالم کے ہاتھ کا پکا ہوا سور اس اطمینان پر کھا جائیں گے کہ یہ مسلمان نے پکایا ہے۔ اور اگر اس پخت و پز کے دوران میں چمچے کی ہر گردش پر وہ بآوازِ بلند بسم اللہ پڑھ دیا کرے اور اس کے چنے ہوئے دسترخوان پر مسلمانوں کو کافر کے دسترخوان کی بہ نسبت تناول ماحضر کی زیادہ آسانیاں اور آزادیاں میسر ہوں اور محفلِ طعام کے گرد و پیش کچھ ایسے لوازم بھی فراہم کر دئے جائیں جو عام طور پر اسلامی لوازم سمجھے جاتے ہیں، تو اس قسم کی نمائشی باتیں اس حرام خوراک کو قبول کر لینے کے لئے کوئی سفارش نہ ہونی چاہئیں۔ بلکہ یہ ظاہر فریبیاں اس معاملہ کو اور بھی زیادہ پرخطر بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا ہم کسی ایسی ظاہری تبدیلی پر نہ خود مطمئن ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو مطمئن ہوتے دیکھ سکتے ہیں جس میں یہ فاسد نظام تو جوں کا توں قائم رہے اور صرف اس کے چلانے والے ہاتھ بدل جائیں۔ ہماری نظر تو ہاتھوں پر نہیں بلکہ ان اصولوں پر ہے جن پر زندگی کا نظام چلایا جاتا ہے۔ وہ اصول اگر فاسد ہوں تو ہم ان کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگ جاری رکھیں گے اور انہیں صالح اصولوں سے بدلنے کی کوشش کریں گے۔

یہ تو ہے ہمارا مدّعا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ بھی واضح طور پر سمجھ لیں کہ موجودہ تہذیب کے وہ اصول کیا ہیں جن کو ہم مٹانا چاہتے ہیں اور ان کے جواب میں وہ دوسرے اصول کون سے ہیں جن کو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں۔

موجودہ تہذیب جس پر آج دنیا کا پورا فکری، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے در اصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے:۔

(۱) Secularism یعنی لادینی یا دنیاویت

(۲) Nationalism یعنی قوم پرستی

(۳) Democracy یعنی حاکمیتِ جمہور

ان میں سے پہلے اصول، یعنی لادینی کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کی ہدایت اور اس کی عبادت کے معاملہ کو ایک ایک شخص کی ذاتی حیثیت تک محدود کر دیا جائے اور انفرادی زندگی کے اس چھوٹے سے دائرے کے سوا دنیا کے سارے معاملات کو ہم خالص دنیوی نقطۂ نظر سے اپنی صوابدید کے مطابق خود جس طرح چاہیں طے کریں۔ ان معاملات میں یہ سوال خارج از بحث ہونا چاہیئے کہ خدا کیا کہتا ہے اور اس کی ہدایت کیا ہے اور اس کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ ابتداءً یہ طرزِ عمل اہل مغرب نے عیسائی پادریوں کی اُس خود ساختہ دینیات (Theology) سے بیزار ہو کر اختیار کیا تھا جو ان کے لئے زنجیرِ پا بن کر رہ گئی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ یہی طرزِ عمل ایک مستقل نظریۂ حیات بن گیا اور تہذیب جدید کا پہلا سنگ بنیاد قرار پایا۔ آپ نے اکثر یہ فقرہ سنا ہوگا کہ "مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے خدا اور بندے کے درمیان"۔ یہ مختصر سا فقرہ در اصل تہذیب حاضر کا کلمہ ہے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ اگر کسی کا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ خدا ہے اور اس کی پرستش کرنی چاہیئے تو وہ اپنی انفرادی زندگی میں بخوشی اپنے خدا کو پوجے، مگر دنیا اور اس کے معاملات سے خدا اور مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ اس "کلمہ" کی بنیاد پر جس نظامِ زندگی کی عمارت اٹھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس میں انسان اور انسان کے تعلق اور انسان اور دنیا کے تعلق کی تمام صورتیں خدا اور مذہب سے آزاد ہیں۔ معاشرت ہے تو اس سے آزاد، تعلیم ہے تو اس سے آزاد، معاشی کاروبار ہے تو اس سے آزاد، قانون ہے تو اس سے آزاد، پارلیمنٹ ہے تو اس سے آزاد، سیاست اور انتظام ملکی ہے تو اس سے آزاد، بین الاقوامی ربط و ضبط ہے تو اس سے آزاد۔ زندگی کے ان بیشمار مختلف پہلوؤں میں جو کچھ بھی طے کیا جاتا ہے اپنی خواہش اور دانست کے مطابق طے کیا جاتا ہے اور اس سوال کو نہ صرف ناقابل لحاظ، بلکہ اصولاً غلط اور انتہائی تاریک خیالی سمجھا جاتا ہے کہ ان امور کے متعلق خدا نے بھی کچھ اصول اور احکام ہمارے لئے مقرر کئے ہیں یا نہیں۔ رہی انفرادی زندگی تو وہ بھی لادینی تعلیم اور بے دین اجتماعیت کی بدولت اکثر و بیشتر افراد کے معاملہ میں نری دنیاوی (Secular) ہی ہو کر رہ گئی ہے اور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کیونکہ اب بہت ہی کم افراد کا ضمیر واقعی یہ گواہی دیتا ہے کہ خدا ہے اور اس کی بندگی کرنی چاہیئے۔ خصوصاً جو لوگ اس وقت تمدن کے اصلی کارفرما اور کارکن ہیں ان کے لئے تو مذہب اب ایک پرائیویٹ معاملہ بھی نہیں رہا ہے۔ ان کا ذاتی تعلق بھی خدا سے ٹوٹ چکا ہے۔

دوسرے اصول، یعنی قوم پرستی کی ابتدا تو پوپ اور قیصر کے عالمگیر استبداد کے خلاف رجعت کے طور پر ہوئی تھی اور اس کا مطلب صرف اتنا تھا کہ مختلف قومیں اپنی اپنی سیاست و مصلحت کی آپ ہی مالک و مختار ہوں، کسی عالمگیر روحانی یا سیاسی اقتدار کے ہاتھوں میں شطرنج کے مہروں کی طرح نہ کھیلیں، مگر اس معصوم آغاز سے چل کر جب یہ تخیل آگے بڑھا تو رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جس جگہ سے بے دینی کی تحریک نے خدا کو بے دخل کیا تھا وہاں قومیت کو لا بٹھایا گیا۔ اب ہر قوم کیلئے بلند ترین اخلاقی قدر اس کا قومی مفاد اور اس کے قومی حوصلے (Aspirations) ہیں۔ نیکی وہ ہے جو قوم کے لئے مفید ہو، خواہ وہ جھوٹ ہو، بے ایمانی ہو، ظلم ہو، یا اور کوئی ایسا فعل ہو جو پرانے مذہب و اخلاق میں بدترین گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اور بدی وہ ہے جس سے قوم کے مفاد کو نقصان پہنچے۔ خواہ وہ سچائی ہو، انصاف ہو، ادائے حق ہو، یا اور کوئی ایسی چیز ہو جسے کبھی فضائل اخلاق میں شمار کیا جاتا تھا۔ افراد قوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خوبی اور زندگی و بیداری کا پیمانہ یہ ہے کہ قوم کا نفاد ان سے جس قربانی کا مطالبہ بھی کرے، خواہ وہ جان و مال اور وقت کی قربانی ہو یا اخلاق و انسانیت اور شرافت نفس کی، بہر حال وہ اس میں دریغ نہ کریں اور متحد و منظم ہو کر قوم کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو پورا کرنے میں لگے رہیں۔ اجتماعی کوششوں کی غایت اب یہ ہے کہ ہر قوم ایسے افراد کی زیادہ سے زیادہ تعداد بہم پہنچائے، اور ان میں ایکا اور نظم پیدا کرے تاکہ وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنی قوم کا جھنڈا بلند کریں۔

تیسرے اصول، یعنی جمہور کی حاکمیت (Sovereignty of the People) کو ابتداءً بادشاہوں اور جاگیرداروں کے اقتدار کی گرفت توڑنے کے لئے پیش کیا گیا تھا، اور اس حد تک بات درست تھی کہ ایک شخص، یا ایک خاندان یا ایک طبقہ کو لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی مرضی مسلط کر دینے اور اپنی اغراض کے لئے انہیں استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اس منفی پہلو کے ساتھ اس کا مثبت پہلو یہ تھا کہ ایک ایک ملک اور ایک ایک علاقے کے باشندے اپنے آپ حاکم اور اپنے آپ مالک ہیں۔ اسی مثبت پہلو پر ترقی کر کے جمہوریت نے اب جو شکل اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر قوم اپنی مرضی کی مختار کل ہے۔ اس کی مجموعی خواہش (یا عملاً اس کی اکثریت کی خواہش) کو پابند کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اخلاق ہو یا تمدن، معاشرت ہو یا سیاست، ہر چیز کے لئے برحق اصول وہ ہیں جو قومی خواہش سے طے ہوں، اور جن اصولوں کو قوم کی رائے عام رد کر دے وہ باطل ہیں۔ قانون قوم کی مرضی پر منحصر ہے جو قانون چاہے بنائے اور جس قانون کو چاہے توڑ دے یا بدل دے۔ حکومت قوم کی رضا کے مطابق بننی چاہیئے، قوم ہی کی رضا کا اسے پابند ہونا چاہیئے، اور اس کی پوری طاقت قومی خواہش کو پورا کرنے پر صرف ہونی چاہیئے۔

یہ تین اصول، جن کی تشریح میں نے مختصراً آپ کے سامنے بیان کی ہے، موجودہ دور کے نظام زندگی کی بنیاد ہیں، اور انہی اصولوں پر وہ بے دین جمہوری قومی ریاست (Secular Democratic National State) بنتی ہے جسے آج کل اجتماعی تنظیم کی مہذب ترین معیاری صورت سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں اصول غلط ہیں۔ صرف غلط ہی نہیں، ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہی اصول ان تمام مصائب کی جڑ ہیں جن میں آج انسانیت مبتلا ہے۔ ہماری عداوت دراصل ان ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں سے ہے اور ہم اپنی پوری طاقت سے کے ساتھ ان کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان اصولوں پر کیا اعتراض ہے اور کیوں اعتراض ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے تو بڑی لمبی بحث درکار ہے، مگر میں نے چند الفاظ میں آپ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرونگا تاکہ آپ ہماری اس لڑائی کی اہمیت اچھی طرح سمجھ سکیں اور آپ کو اندازہ ہو کہ کیوں یہ معاملہ اتنا سنگین ہے کہ ان اصولوں کے خلاف جنگ کرنا ناگزیر ہے۔

سب سے پہلے اس لادینی یا دنیاویت کو لیجئے جو اس نظام زندگی کا اولین سنگ بنیاد ہے۔ یہ نظریہ کہ خدا اور مذہب کا تعلق صرف آدمی کی انفرادی زندگی سے ہے، سراسر ایک مہمل نظریہ ہے جسے عقل و خرد سے کوئی سروکار نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ خدا اور انسان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو خدا انسان کا اور اس ساری کائنات کا جس میں انسان رہتا ہے، خالق اور مالک اور حاکم ہے، یا نہیں ہے۔ اگر وہ نہ خالق ہے نہ مالک اور نہ حاکم تب تو اس کے ساتھ پرائیویٹ تعلق کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ نہایت لغو بات ہے کہ ایک ایسی غیر متعلق ہستی کی خواہ مخواہ پرستش کی جائے جس کا ہم سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ اور اگر وہ فی الواقع ہمارا اور اس تمام جہانِ ہست و بود کا خالق، مالک اور حاکم ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ اس کی عملداری (Jurisdiction) محض ایک ایک شخص کی پرائیویٹ زندگی تک محدود ہو اور جہاں سے ایک اور ایک دو آدمیوں کا اجتماعی تعلق شروع ہوتا ہے وہیں سے اس کے اختیارات ختم ہو جائیں۔ یہ حد بندی اگر خدا نے خود کی ہے تو اس کی کوئی سند ہونی چاہیئے، اور اگر اپنی اجتماعی زندگی میں انسان نے خدا سے بے نیاز ہو کر خود ہی خود مختاری اختیار کی ہے تو یہ اپنے خالق اور مالک اور حاکم سے اس کی کھلی بغاوت ہے۔ اس بغاوت کے ساتھ یہ دعویٰ کہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں خدا کو اور اس کے دین کو مانتے ہیں صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی عقل ماری گئی ہو۔ اس سے زیادہ لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک ایک شخص فرداً فرداً تو خدا کا بندہ ہو، مگر یہ الگ الگ بندے جب مل کر ایک معاشرہ بنائیں تو بندے نہ رہیں۔ اجزا میں سے ہر ایک بندہ اور ان اجزا کا مجموعہ غیر بندہ، یہ ایک ایسی بات ہے جس کا تصور صرف ایک پاگل ہی کر سکتا ہے۔ پھر یہ بات کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر ہمیں خدا کی اور اس کی رہنمائی کی ضرورت نہ اپنی خانگی معاشرت میں ہے، نہ محلے اور شہر میں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ مدرسے اور کالج میں، نہ منڈی اور بازار میں، نہ پارلیمنٹ اور گورنمنٹ ہاؤس میں، نہ ہائی کورٹ اور سکرٹریٹ میں، نہ چھاؤنی اور پولیس لائن میں اور نہ میدان جنگ اور صلح کانفرنس میں، تو آخر اس کی ضرورت ہے کہاں؟ کیوں ایسے خدا کو مانا جائے اور اس کی خواہ مخواہ پوجا پاٹ کی جائے جو یا تو اتنا بیکار ہے کہ زندگی کے کسی معاملہ میں بھی ہماری رہنمائی نہیں کرتا، یا معاذ اللہ ایسا نادان ہے کہ کسی معاملے میں بھی اس کی کوئی ہدایت ہمیں معقول اور قابل عمل نظر نہیں آتی؟

یہ تو محض اس معاملہ کا نقلی پہلو ہے۔ عملی پہلو سے دیکھئے تو اس کے نتائج بڑے ہی خوفناک ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے جس معاملے کا تعلق بھی خدا سے ٹوٹتا ہے اس کا تعلق شیطان سے جڑ جاتا ہے۔ انسان کی پرائیویٹ زندگی درحقیقت کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ انسان ایک متمدن ہستی ہے اور اس کی پوری زندگی اصل میں اجتماعی زندگی ہے۔ وہ پیدا ہی ایک ماں اور ایک باپ کے معاشرتی تعلق سے ہوتا ہے۔ دنیا میں آتے ہی وہ ایک خاندان میں آنکھیں کھولتا ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی اس کو ایک سوسائٹی سے، ایک برادری سے، ایک بستی سے، ایک قوم سے، ایک نظام تمدن اور نظام معیشت وسیاست سے واسطہ پیش آتا ہے۔ یہ بے شمار روابط جو اس کو دوسرے انسانوں سے اور دوسرے انسانوں کو اس سے جوڑے ہوئے ہیں، انہی کی درستی پر ایک ایک انسان کی اور مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔ اور وہ صرف خدا ہی ہے جو انسان کو ان روابط کے لئے صحیح اور منصفانہ اور پائیدار اصول و حدود دیتا ہے۔ جہاں انسان اس کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود مختار بنا، پھر نہ تو کوئی مستقل اصول باقی رہتا ہے اور نہ انصاف اور راستی۔ اس لئے کہ خدا کی رہنمائی سے محروم ہو جانے کے بعد پھر خواہش اور ناقص علم و تجربہ کے سوا کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہتی جس کی طرف انسان رہنمائی کے لئے رجوع کر سکے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جس سوسائٹی کا نظام لادینی یا دنیاویت کے اصول پر چلتا ہے اس میں خواہشات کی بنا پر روز اصول بنتے اور ٹوٹتے ہیں۔ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ انسانی تعلقات کے ایک ایک گوشے میں ظلم، بے انصافی، بے ایمانی اور آپس کی بے اعتمادی گھس گئی ہے۔ تمام انسانی معاملات پر انفرادی، طبقاتی، قومی اور نسلی خود غرضیاں مسلط ہو گئی ہیں۔ دو انسانوں کے تعلق سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے کر قوموں کے تعلق تک کوئی رابطہ ایسا نہیں رہا ہے جس میں ٹیڑھ نہ آگئی ہو۔ ہر ایک شخص نے، ہر ایک گروہ نے، ہر ایک طبقے نے، ہر ایک قوم اور ملک نے اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں، جہاں تک بھی اس کا بس چلا ہے، پوری خود غرضی کے ساتھ اپنے مطلب کے اصول اور قاعدے اور قانون بنا لیے ہیں، اور کوئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے اشخاص، گروہوں، طبقوں اور قوموں پر اس کا کیا اثر پڑیگا۔ پرواہ کرانے والی صرف ایک ہی طاقت رہ گئی ہے اور وہ ہے جوتا۔ جہاں مقابلہ میں جوتا یا جوتے کا اندیشہ ہوتا ہے صرف وہیں اپنی حد سے زیادہ پھیلے ہوئے ہاتھ اور پاؤں کچھ سکڑ جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ جوتا کسی عالم اور منصف ہستی کا نام نہیں ہے۔ وہ تو ایک اندھی طاقت کا نام ہے۔ اس لیے اس کے زور سے کبھی توازن قائم نہیں ہوتا۔ جس کا جوتا زبردست ہوتا ہے وہ دوسروں کو صرف اتنا ہی نہیں سکیڑتا جتنا اُسے سکڑنا چاہیئے بلکہ وہ خود اپنی حد سے زیادہ پھیلنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ بس لادینی اور دنیاویت کا ماحصل صرف یہ ہے کہ جو بھی اس طرز عمل کو اختیار کریگا بے لگام، غیر ذمہ دار اور بندۂ نفس ہوکر رہیگا، خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک گروہ یا ایک ملک اور قوم، یا مجموعۂ اقوام۔

اب دوسرے اصول کو لیجئے۔ قوم پرستی کی تشریح ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں، وہ اگر آپ کے ذہن میں تازہ ہے تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی لعنت ہے جو اس دور میں انسانیت پر مسلط ہوئی ہے۔ ہمارا اعتراض قومیت (Nationality) پر نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک فطری حقیقت ہے۔ ہم قومی خیر خواہی کے بھی مخالف نہیں ہیں بشرطیکہ اس کے اندر دوسری قوموں کی بدخواہی شامل نہ ہو۔ ہمیں قومی محبت پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ وہ قومی تعصب اور اپنی قوم کی بیجا پاسداری اور دوسروں سے نفرت کی حد تک نہ جا پہنچے۔ ہم قومی آزادی کو بھی صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ اپنے معاملات کو خود انجام دینا اور اپنے گھر کا آپ انتظام کرنا ہر قوم کا حق ہے اور ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت درست نہیں ہے۔ دراصل جو چیز قابل اعتراض بلکہ قابل نفرت ہے وہ قوم پرستی (Nationalism) ہے۔ اس قوم پرستی کی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ قومی خود غرضی کا دوسرا نام ہے۔ اگر ایک سوسائٹی کے اندر اُس شخص کا وجود ایک لعنت ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے نفس اور اپنی غرض کا بندہ ہو اور اپنے مفاد کے لئے سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار ہو، اگر ایک بستی کے اندر وہ خاندان ایک لعنت ہے جس کے افراد اپنے خاندانی مفاد کے اندھے پرستار ہوں اور جائز و ناجائز تمام ذرائع سے بس اپنا بھلا کرنے پر تلے ہوئے ہوں، اگر ایک ملک کے اندر وہ طبقہ ایک لعنت ہے جو اپنی طبقاتی خود غرضی میں اندھا ہو رہا ہو اور دوسروں کے بھلے بُرے کی پروا کئے بغیر صرف اپنے فائدے کے پیچھے پڑ جائے (مثلاً بلیک مارکٹنگ کرنے والے)، تو آخر انسانیت کے وسیع دائرے میں وہ خود غرض قوم ایک لعنت کیوں نہیں، ہے جو اپنے قومی مفاد کو اپنا خدا بنالے اور اس کی پرستش کا یہ اصول مقرر کر لے کہ حق وہ ہے جو قومی اغراض کے مطابق ہو اور باطل وہ جو اُن کے مطابق نہ ہو۔ آپ کا ضمیر گواہی دیگا کہ تمام خود غرضیوں اور نفسانیتوں کی طرح یہ قومی خود غرضی و نفسانیت بھی یقیناً ایک لعنت ہے، مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج اس تہذیب جدید نے تمام قوموں کو اسی لعنت میں مبتلا کر دیا ہے اور اس کی بدولت ساری دنیا ایسے قومی اکھاڑوں میں تبدیل ہوگئی ہے جن میں سے ہر اکھاڑے کی دوسرے اکھاڑے سے لاگ ڈانٹ ہے اور دو عالمگیر دنگل ہو چکنے کے بعد ابھی پسینہ بھی خشک نہیں ہوا ہے کہ تیسرے دنگل کے لئے ڈنڑ خم تازہ کئے جارہے ہیں۔

تیسرا اصول پہلے دونوں اصولوں کے ساتھ مل کر اس بلا کی تکمیل کر دیتا ہے جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، موجودہ تہذیب میں جمہوریت کے معنی ہیں جمہوریت کی حاکمیت یعنی ایک علاقے کے لوگوں کی مجموعی خواہش کا اپنے علاقے میں مختارِ مطلق ہونا، اور اُن کا قانون کے تابع نہ ہونا بلکہ قانون کا ان کی خواہش کے تابع ہونا، اور حکومت کی غرض صرف یہ ہونا کہ اس کا نظم اور اس کی طاقت لوگوں کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرنے کے کام آئے۔ اب غور کیجئے کہ پہلے تو لادینی نے اِن لوگوں کو خدا کے خوف اور اخلاق کے مستقل اُصولوں کی گرفت سے آزاد کر کے بے لگام اور غیر ذمہ دار اور بندۂ نفس بنا دیا، پھر قوم پرستی نے ان کو شدید قسم کی قومی خود غرضی اور اندھی عصبیت اور قومی غرور کے نشہ سے بدمست کر دیا، اور اب یہ جمہوریت انہی بے لگام بدمست بندگانِ نفس کی خواہشات کو قانون سازی کے مکمل اختیارات دیتی ہے، اور حکومت کا واحد مقصد یہ قرار دیتی ہے کہ اس کی طاقت ہر اس چیز کے حصول میں صرف ہو جس کی یہ اجتماعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر خواہش کریں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کی خود مختار صاحب حاکمیت قوم کا حال آخر ایک طاقت ور اور آزاد بدمعاش کے حال سے کس بات میں مختلف ہے؟ جو کچھ ایک بدمعاش فرد خود مختار اور طاقت ور ہو کر چھوٹے پیمانے پر کریگا وہی سب اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر اس طرح کی ایک قوم کریگی۔ پھر جب دنیا میں صرف ایک ہی قوم ایسی نہ ہو بلکہ ساری متمدن قومیں اسی ڈھنگ پر بنے دینی، قوم پرستی اور جمہوریت کے اصولوں پر منظم ہوں تو دنیا بھیڑیوں کا میدانِ جنگ نہ بنے گی تو اور کیا بنے گی؟

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم اس نظام اجتماعی کو فاسد سمجھتے ہیں جو ان تین اصولوں کی بنیاد پر بنے۔ ہماری دشمنی لادینی قومی جمہوری نظام سے ہے خواہ اس کے قائم کرنے اور چلانے والے مغربی ہوں یا مشرقی، غیر مسلم ہوں یا نام نہاد مسلمان۔ جہاں جس ملک اور جس قوم پر بھی یہ بلا مسلط ہوگی، ہم بندگانِ خدا کو اس سے ہوشیار کرنے کی فکر کریں گے اور انہیں دعوت دیں گے کہ اسے دفع کرو۔

اِن تین اصولوں کے جواب میں ہم دوسرے تین اصول پیش کرتے ہیں، اور سب انسانوں کے ضمیر سے اپیل کرتے ہیں کہ انہیں جانچ کر، پرکھ کر خود دیکھ لو کہ تمہارا اپنا بھلا اور ساری دنیا کا بھلا اِن پاک اصولوں میں ہے یا اُن خبیث اصولوں میں؟

لادینی کے مقابلہ میں خدا کی بندگی و اطاعت،

قوم پرستی کے مقابلہ میں انسانیت،

جمہور کی حاکمیت کے مقابلہ میں خدا کی حاکمیت اور جمہور کی خلافت۔

پہلے اصول کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب اُس خدا کو اپنا آقا تسلیم کریں جو ہمارا اور تمام کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ہے۔ ہم اس سے آزاد اور بے نیاز بن کر نہیں بلکہ اس کے تابع فرمان اور اس کی رہنمائی کے پیرو بن کر زندگی بسر کریں۔ ہم صرف اس کی پوجا ہی نہ کریں بلکہ اس کی اطاعت اور بندگی بھی کریں۔ ہم صرف فرداً فرداً اپنی پرائیویٹ حیثیت ہی میں اس کے احکام اور ہدایات کے پابند نہ ہوں بلکہ اپنی اجتماعی زندگی کے بھی ہر پہلو میں اسی کے پابند ہوں۔ ہماری معاشرت، ہمارا تمدن، ہماری معیشت، ہمارا نظامِ تعلیم و تربیت، ہمارے قوانین، ہماری عدالتیں، ہماری حکومت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہماری صلح و جنگ اور ہمارے بین الاقوامی تعلقات، سب کے سب اُن اصولوں اور حدود کے پابند ہوں جو خدا نے مقرر کئے ہیں۔ ہم اپنے دنیوی معاملات کو طے کرنے میں بالکل آزاد نہ ہوں بلکہ ہماری آزادی اُن سرحدوں کے اندر محدود ہو جو خدا کے مقرر کئے ہوئے اصول اور حدود نے کھینچ دی ہیں۔ یہ اصول اور حدود ہر حال میں ہمارے اختیارات سے بالاتر ہیں۔

دوسرے اصول کا مطلب یہ ہے کہ خداپرستی کی بنیاد پر جو نظامِ زندگی بنے اس میں قوم، نسل، وطن، رنگ اور زبان کے فرق و امتیاز کی بنا پر کسی قسم کے تعصبات اور خودغرضیاں راہ نہ پائیں۔ وہ ایک قومی نظام کے بجائے ایک اصولی نظام ہونا چاہئے جس کے دروازے ہر اس انسان کے لئے کھلے ہوئے ہوں جو اس کے بنیادی اصولوں کو مان لے، اور جو انسان بھی ان کو مان جائے وہ بغیر کسی امتیاز کے پورے مساویانہ حقوق کے ساتھ اس میں شریک ہو سکے۔ اس نظام میں شہریت (Citizenship) محض ایک ریاست کے جغرافی حدود تک محدود نہ ہے۔ بلکہ اصولی بنیادوں پر عام ہو۔ جو لوگ ان اصولوں پر مطمئن نہ ہوں یا کسی وجہ سے ان کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں، ان کو مٹانے اور دبانے اور ہضم کرنے کی کوشش نہ ہو بلکہ وہ متعین حقوق کے ساتھ اس نظام کی حفاظت (Protection) میں رہیں اور اُن کے لئے ہر وقت یہ موقع کھلا رہے کہ جب بھی ان اصولوں کی صحت و درستی پر ان کا اطمینان ہو جائے وہ برابر کے حقوق کے ساتھ اپنی آزادانہ مرضی سے اس نظام کے کارفرما بن سکیں۔ یہ چیز جس کو ہم اصولِ انسانیت سے تعبیر کر رہے ہیں، قومیت کی نفی نہیں کرتی بلکہ اسے اس کی صحیح فطری حدمیں رکھتی ہے۔ اس میں قومی محبت کے لئے جگہ ہے، مگر قومی تعصب کے لئے جگہ نہیں ہے۔ قومی خیرخواہی جائز ہے مگر قومی خودغرضی حرام ہے۔ قومی آزادی مسلّم ہے اور ایک قوم پر دوسری قوم کے خودغرضانہ تسلط سے بھی سخت انکار ہے، مگر ایسی قومی آزادی ہرگز تسلیم نہیں ہے جو انسانیت کو ناقابلِ عبور سرحدوں میں تقسیم کردے۔ اصولِ انسانیت کا مطالبہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر قوم اپنے گھر کا انتظام آپ کرے، اور کوئی قوم من حیث القوم دوسری قوم کی تابع نہ ہو، لیکن تمام وہ قومیں جو تہذیبِ انسانی کے بنیادی اصولوں میں متفق ہو جائیں، اُن کے درمیان انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلاح و ترقی کے کاموں میں پورا تعاون ہو، مسابقت (Competition) کے بجائے معاونت ہو، باہم امتیازات اور تعصبات اور تفریقیں نہ ہوں، تہذیب و تمدن اور اسباب زندگی کا آزادانہ لین دین ہو، اور اس مہذب نظام زندگی کے تحت زندگی بسر کرنے والی دنیا کا ہر انسان اس پوری دنیا کا شہری ہو نہ کہ ایک ملک اور ایک قوم کا، حتیٰ کہ وہ کہہ سکے کہ "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" موجودہ حالت کو ہم ایک قابل نفرت حالت سمجھتے ہیں جس میں ایک انسان نہ تو خود ہی اپنی قوم اور ملک کے سوا کسی دوسری قوم اور ملک کا وفادار ہو سکتا ہے اور نہ کوئی قوم اپنے افراد کے سوا دوسری کسی قوم کے افراد پر اعتماد کر سکتی ہے۔ آدمی اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلتے ہی یہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کی زمین میں ہر جگہ اس کے لئے رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہیں۔ ہر جگہ وہ چوروں اور اچکوں کی طرح شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر جگہ پوچھ گچھ ہے، تلاشیاں ہیں، زبان و قلم اور نقل و حرکت پر پابندیاں ہیں، اور کہیں اس کے لئے نہ آزادی ہے نہ حقوق۔ ہم اس کے مقابلہ میں ایسا عالمگیر نظام چاہتے ہیں جس میں اصولوں کی وحدت کو بنیاد بنا کر قوموں کے درمیان وفاق قائم ہو اور اُس وفاق میں بالکل مساویانہ اور مشترک شہریت (Common Citizenship) ہو اور قطعاً بے روک ٹوک آمد و رفت کا طریقہ رائج ہو۔ ہماری آنکھیں پھر ایک دفعہ یہ منظر دیکھنا چاہتی ہیں کہ آج کا کوئی ابن بطوطہ اٹلانٹک کے ساحل سے بحر الکاہل کے ساحل تک اس طرح جائے کہ کہیں وہ غیر (Alien) نہ ہو اور ہر جگہ اس کے لئے جج، مجسٹریٹ، وزیر یا سفیر بن جانے کا موقع ہو۔

اب تیسرے اصول کو لیجئے۔ ہم جمہوری حاکمیت کے بجائے جمہوری خلافت کے قائل ہیں۔ شخصی بادشاہی (Monarchy) اور امیروں کے اقتدار اور طبقوں کی اجارہ داری کے ہم بھی اتنے ہی مخالف ہیں جتنا موجودہ زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا جمہوریت پرست ہو سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں تمام لوگوں کے یکساں حقوق، مساویانہ حیثیت اور کھلے مواقع پر ہمیں بھی اتنا ہی اصرار ہے جتنا مغربی جمہوریت کے کسی بڑے سے بڑے حامی کو ہو سکتا ہے۔ ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حکومت کا انتظام اور حکمرانوں کا انتخاب تمام باشندوں کی آزادانہ مرضی اور رائے سے ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیئے۔ ہم بھی اُس نظام زندگی کے سخت مخالف ہیں جس میں لوگوں کے لئے اظہار رائے کی آزادی، اجتماع کی آزادی اور سعی و عمل کی آزادی نہ ہو، یا جس میں پیدائش اور نسل اور طبقات کی بنا پر بعض لوگوں کے لئے مخصوص حقوق اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے مخصوص رکاوٹیں ہوں۔ یہ اُمور جو جمہوریت کا اصل جوہر (Essence) ہیں، ان میں ہماری جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اہل مغرب نے ہمیں سکھائی ہو، ہم اس جمہوریت کو اس وقت سے جانتے ہیں اور دنیا کو اس کا بہترین عملی نمونہ دکھا چکے ہیں جبکہ مغربی جمہوریت پرستوں کی پیدائش میں ابھی سینکڑوں برس کی دیر تھی۔ دراصل ہمیں اس نوخیز جمہوریت سے جس چیز میں اختلاف اور نہایت سخت اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ وہ جمہور کی مطلق العنان بادشاہی کا اصول پیش کرتی ہے اور ہم اس کو حقیقت کے اعتبار سے غلط اور نتائج کے اعتبار سے تباہ کن سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بادشاہی (Sovereignty) صرف اس کا حق ہے جس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، جو اُن کی پرورش اور بالیدگی کا سامان کر رہا ہے، جس کے سہارے پر اُن کی اور ساری دُنیا کی ہستی قائم ہے اور جس کے زبردست قانون کی گرفت میں کائنات کی ایک ایک چیز جکڑی ہوئی ہے۔ اس کی واقعی اور حقیقی بادشاہی کے اندر جس بادشاہی کا بھی دعویٰ کیا جائے گا، خواہ وہ ایک شخص اور ایک خاندان کی بادشاہی ہو یا ایک قوم اور اس کے عوام کی، بہرحال وہ ایک غلط فہمی کے سوا کچھ نہ ہوگا اور اس غلط فہمی کی چوٹ اصل بادشاہ پر نہیں بلکہ اُس احمق مدعی پر ہی پڑے گی جس نے اپنی قدر خود نہ پہچانی۔ اس حقیقت کی موجودگی میں صحیح بھی یہی ہے اور نتائج کے اعتبار سے انسان کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ خدا کو حاکم مان کر انسانی زندگی کا نظامِ حکومت خلافت و نیابت کے نظریہ پر بنایا جائے۔ یہ خلافت بلاشبہ جمہوری ہونی چاہیئے۔ جمہور کی رائے ہی سے حکومت کے امیر یا ناظم اعلیٰ کا انتخاب ہونا چاہیئے، انہی کی رائے سے اہل شوریٰ منتخب ہونے چاہئیں، انہی کے مشورے سے حکومت کے سارے انتظامات چلنے چاہئیں، اور ان کو تنقید و احتساب کا کھلا حق ہونا چاہیئے، لیکن یہ سب کچھ اس احساس و شعور کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ ملک خدا کا ہے، ہم مالک نہیں بلکہ نائب ہیں، اور ہمیں اپنے ہر کام کا حساب اصل مالک کو دینا ہے نیز وہ اخلاقی اصول اور قانونی احکام اور حدود اپنی جگہ اٹل ہونے چاہئیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا نے ہماری زندگی کے لئے مقرر کردئے ہیں۔ ہماری پارلیمنٹ کا اساسی نظریہ یہ ہونا چاہیئے کہ جن امور میں خدا نے ہمیں ہدایات دی ہیں ان میں ہم قانون سازی نہیں کریں گے بلکہ اپنی ضروریات کے لئے خدا کی ہدایات سے تفصیلی قوانین اخذ کریں گے، اور جن امور میں خدا نے ہدایات نہیں دی ہیں ان میں ہم یہ سمجھیں گے کہ خدا نے خود ہی ہم کو آزادیِ عمل بخشی ہے اس لئے صرف انہی امور میں ہم باہمی مشورے سے قوانین بنائیں گے، مگر یہ قوانین لازماً اُس مجموعی سانچے کے مزاج سے مطابقت رکھنے والے ہونگے جو خدا کی اصولی ہدایات نے ہمارے لئے بنا دیا ہے۔ پھر یہ ضروری ہے کہ اس پورے نظامِ تمدن و سیاست کی کار فرمائی اور اس کا انتظام ان لوگوں کے سپرد ہو جو خدا سے ڈرنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے اور ہر کام میں اس کی رضا چاہنے والے ہوں، جن کی زندگی گواہ ہو کہ وہ خدا کے حضور اپنی پیشی اور جواب دہی کا یقین رکھتے ہیں، جن کی پبلک اور پرائیویٹ دونوں قسم کی زندگیوں سے یہ شہادت ملے کہ وہ بے لگام گھوڑے کی طرح نہیں ہیں جو ہر کھیت میں چرتا اور ہر حد کو پھاندتا پھرتا ہو، بلکہ ایک الٰہی ضابطہ کی رسی سے بندھے ہوئے اور ایک خدا پرستی کے کھونٹے سے مربوط ہیں اور ان کی ساری حرکت پھرت اسی حد تک محدود ہے جہاں تک وہ رسی انہیں جانے دیتی ہے۔

حضرات! یہ تینوں اصول جن کی بہت ہی مختصر تشریح میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے، موجودہ تہذیب کی قوم پرستانہ لادینی جمہوری حاکمیت کے مقابلہ میں ایک خدا پرستانہ انسانی جمہوری خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسی کا قیام ہمارا نصب العین ہے۔ یہ بات تو آپ بیک نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ ان دونوں نظاموں کے درمیان کھلا اختلاف ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ کے اپنے ضمیر پر منحصر ہے کہ ان میں سے کون بہتر ہے، کس میں آپ کی فلاح ہے، کس کے قیام کا آپ کو خواہشمند ہونا چاہیئے اور کس کے قائم کرنے اور قائم رکھنے میں آپ کی قوتیں صرف ہونی چاہئیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان سے تو میں صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی لادینی قومی جمہوریت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے۔ اس کے قیام و بقا میں حصہ لو گے تو اپنے رسول سے غداری کرو گے۔ اور اس کا جھنڈا اٹھانے کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرو گے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اُس کی روح اِس ناپاک نظام کی روح سے، اس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اصولوں سے اور اُس کا ہر جزو اِس کے ہر جزء سے بر سر جنگ ہے۔ اسلام اور یہ نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام بر سر اقتدار ہوگا وہاں اسلام نقش بر آب رہیگا اور جہاں اسلام بر سر اقتدار ہوگا وہاں اس نظام کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ تم اگر واقعی اُسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلہ میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرو خصوصیت کے ساتھ جہاں تم بحیثیت ایک قوم کے بر سر اقتدار ہو وہاں تو اگر تمہارے اپنے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے یہ کافرانہ نظام بنے اور چلے تو حیف ہے تمہاری اس جھوٹی مسلمانی پر جس کا نام لینے میں تم اتنے بلند آہنگ اور جس کا کام کرنے میں تم اتنے جی چور ہو۔

اس سلسلہ میں جملہ معترضہ کے طور پر اپنے مسلمان بھائیوں سے مجھے ایک بات اور بھی کہنی ہے بعض مذہبی جامہ پہننے والے لوگ آپ کو اس غلط فہمی میں ڈال رہے ہیں اور شاید خود بھی اس دھوکے میں ہیں کہ "حکومت تو ایک انعام ہے جو نمازیں پڑھنے اور نیکیاں کرنے کے صلے میں خدا کی طرف سے ملا کرتا ہے، اس کے حصول کی کوشش محض دنیا پرستی اور اس کو نصب العین بنانا خلافِ اسلام ہے"۔ یہ باتیں جو لوگ کرتے ہیں انہوں نے اس معاملہ کو سرے سے سمجھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی ہے، اور اگر وہ برا نہ مانیں تو میں کہونگا کہ وہ سمجھنا چاہتے بھی نہیں ہیں، کیونکہ اس طرح وہ عیش منغص ہو جائیگا جو موجودہ نظام کی فرماں روائی میں ان کو حاصل ہے یا حاصل ہونے کا لالچ ہے۔ یہ لوگ اس سارے معاملہ کو انعام کے پہلو سے دیکھ رہے ہیں اور فرض کا پہلو ان کی نگاہ سے اوجھل ہے میں کہتا ہوں کہ بیشک خلافت الٰہیہ کا قائم ہو جانا ایک انعام ہے، مگر اس کے قیام کی کوشش کرنا ایک فرض بھی تو ہے، تاکہ خلافت شیطانیہ کی جگہ وہ نظام حق برپا ہو جس میں برائیاں دبیں اور نیکیاں پروان چڑھ سکیں۔ تم فرض سے جی چراتے ہو اور انعام کی اُمید رکھتے ہو؟ یہ بوالفضولی تمہیں کو مبارک رہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے غیر مسلم حضرات، تو ان سے میری خیر خواہانہ گزارش یہ ہے کہ براہ کرم اصول کے معاملہ میں اُن تعصبات کے قفل اپنے دلوں پر نہ چڑھائیے جو پچھلی تاریخ اور آج کی قومی کشمکش کی وجہ سے ہمارے اور آپ کے درمیان پیدا ہو گئے ہیں۔ اصول کسی قوم کی آبائی جائداد نہیں ہوتے، نہ ان پر کسی قومیت کا ٹھپا لگا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اگر صحیح اور مفید ہیں تو سب انسانوں کے لئے صحیح و مفید ہیں، اور اگر غلط ہیں تو سب ہی کے لئے غلط ہیں، بلالحاظ اس کے کہ کون ان کا پیش کرنے والا ہے اور کس زبان میں انہیں پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حفظانِ صحت کے اصولوں میں، طب کے اصولوں میں، تجارت اور صنعت و زراعت اور ساخت کے دوسرے فنون میں، سائنس اور دوسرے علوم و فنون کے اصولوں میں یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ فلاں ملک اور فلاں قوم کی چیزیں ہیں اس لئے دوسرے ان سے تعصب کریں۔ آپ جس صحیح اصول کو قبول کرنے میں بھی تعصب سے کام لیں گے اپنا ہی نقصان کریں گے۔ بالکل یہی معاملہ اخلاق، تمدن، معاشرت، تہذیب، معیشت اور سیاست کے اصولوں کا بھی ہے۔ یہ بھی درحقیقت غیر قومی اور غیر نسلی چیزیں ہیں۔ ان کو بھی ان کے اپنے حسن و قبح (Merits) ہی کے لحاظ سے قبول یا رد کرنا چاہیے۔ آپ صحیح اصول اختیار کریں گے تو اپنا بھلا کریں گے، کسی پر کوئی احسان نہ کریں گے۔ غلط اصولوں کی پیروی کریں گے تو اپنا نقصان کریں گے، کسی کا کچھ نہ بگاڑیں گے۔

آپ نے خود بھی دنیا کے دوسرے اصولوں کے معاملہ میں تعصب نہیں برتا ہے۔ یہ لادینی، یہ قوم پرستی، یہ مغربی جمہوریت آپ کے پاس اُن انگریزوں ہی کے ذریعہ سے تو آئی ہے جو دو سو برس آپ پر ظالمانہ حکومت کرتے رہے اور جن کے خلاف چالیس پچاس سال آپ آزادی کی جنگ لڑتے رہے۔ پھر اُن دشمنوں کے لائے ہوئے اصولوں کو قبول کرنے میں آپ نے کیوں تعصب سے کام نہ لیا؟ یہ سوشلزم اور کمیونزم جن کی طرف آپ میں سے بہت سے لوگ لپک رہے ہیں، جرمنی کے ایک یہودی دماغ سے نکلے اور روس میں پروان چڑھے۔ ان قوموں سے آخر آپ کا کیا رشتہ ہے؟ پھر آپ نے انہیں اجنبی کیوں نہ سمجھا؟ اگر ان کے معاملہ میں آپ تعصب کو بالائے طاق رکھ سکتے ہیں اور اصول کو اصول ہی کی حیثیت سے دیکھ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جو اصول ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں ان پر غور کرنے میں یہ خیال آپ کی نظر کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو الجھا دے کہ ان کے پیش کرنے والے لوگ ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جس سے آپ کچھ تاریخی شکایات رکھتے ہیں یا جس کے ساتھ آج آپ کی لڑائی ٹھنی ہوئی ہے۔

ہم دلائل کے ساتھ اُن غلط اصولوں پر تنقید کر رہے ہیں جو ہمارے نزدیک انسانیت کے لئے تباہ کن ہیں اور اُن کے جواب میں وہ اصول پیش کر رہے ہیں جن کے اندر ہمیں اپنی، آپ کی، اور سب انسانوں کی فلاح نظر آتی ہے۔ آپ کھلے دل سے دیکھئے کہ آپ کا اپنا بھلا فی الواقع کن اصولوں کی پیروی میں ہے۔ خود جانچ کر دیکھ لیجئے کہ خدا پرستی بہتر ہے یا بے دینی، قوم پرستی بہتر ہے یا انسانیت، جمہوریت کی مطلق العنانی بہتر ہے یا خدا کی بادشاہی کے تحت جمہوری خلافت، انسانی معاملات کی باگیں خدا سے بے خوف لوگوں کے ہاتھوں میں رہنی بہتر ہیں یا ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جو خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ اگر آپ کا دل گواہی دے کہ یہ چیز جو ہم پیش کر رہے ہیں زیادہ صحیح اور نتائج کے لحاظ سے زیادہ اچھی ہے تو اسے اختیار کر کے آپ خود اپنی ہی خیر خواہی کریں گے۔

اس کے بعد صرف ایک عملی سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس خدا پرستانہ نظام کو چلانے کے لئے ہدایات کہاں سے حاصل کی جائیں؟ وہ خدائی قانون و دستور کونسا ہے جس پر ہم اپنی ریاست کی بنیاد رکھیں؟ بظاہر یہ سوال بہت پیچیدہ ہے، کیونکہ جس آسانی کے ساتھ حکومتِ الٰہیہ، رام راج یا Kingdom of God کے سادہ تصور پر لوگوں کے درمیان اتفاق ہو سکتا ہے اسی آسانی کے ساتھ کسی دستور و قانون کو خدائی دستور و قانون کی حیثیت سے قبول کر لینے پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ پیچیدگی ایسی سخت نہیں ہے کہ اس کو کسی طرح رفع کیا ہی نہ جا سکتا ہو۔

اب یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ ملک تقسیم ہو جائیگا۔ ایک حصہ مسلمان اکثریت کے سپرد کیا جائیگا اور دوسرا حصہ غیر مسلم اکثریت کے زیر اثر ہوگا۔ پہلے حصہ میں ہم کوشش کرینگے کہ رائے عام کو ہموار کر کے اس دستور و قانون پر ریاست کی بنیاد رکھیں جسے ہم مسلمان خدائی دستور و قانون مانتے ہیں۔ غیر مسلم حضرات وہاں ہماری مخالفت کرنے کے بجائے ہمیں کام کرنے کا موقع دیں اور دیکھیں کہ ایک بے دین قومی جمہوریت کے مقابلہ میں یہ خدا پرستانہ جمہوری خلافت، جو محمد صلی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت پر قائم ہوگی، کہاں تک خود باشندگان پاکستان کے لئے اور کہاں تک تمام دنیا کے لئے رحمت و برکت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے حصے میں آپ کی اکثریت اور ہماری اقلیت ہوگی۔ وہاں ہم آپ سے عرض کریں گے کہ خدارا دنیا کی بگڑی ہوئی قوموں سے وہ اصول نہ لیجئے جن کی وجہ سے وہ خود بھی خراب ہو رہی ہیں اور دنیا کو بھی خراب کر رہی ہیں۔ ان کے بجائے آپ پہلے یہ تین اصول مان لیجئے جن کو ہر زمانے میں خدا کے نیک بندے لیکر آئے ہیں، جنہیں آپ کے بزرگ بھی اسی طرح پیش کرتے تھے جس طرح ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ پھر اپنے بزرگوں کی تعلیمات میں تلاش کیجئے کہ ان اصولوں کے مطابق ایک ریاست ——— زمانہ حال کی ایک ترقی پذیر ریاست ——— کا نظام چلانے کے لئے کوئی مفصل ہدایت ملتی ہے یا نہیں۔ رام چندر جی کرشن جی، بودھ مہاراج، گورونانک اور دوسرے تمام رشیوں اور منیوں کی تعلیم اور ان کی سیرتوں کا جائزہ لیجئے۔ ویدوں اور پرانوں اور شاستروں اور گرنتھوں کو دیکھئے۔ اگر ان میں کوئی ہدایت آپ کو ملے تو ہم کہیں گے کہ آپ ہندوستان کی ریاست کا نظام اسی پر قائم کیجئے اور ہم سے وہی برتاؤ کیجئے جو آپ کا دین ہمارے لئے تجویز کرتا ہے۔ ہم اس نظام کی مزاحمت نہیں کرینگے۔ اسے کام کرنے کا پورا موقع دیں گے اور بغیر کسی تعصب کے یہ دیکھیںگے کہ آپ خدا پرستی، انسانیت اور خدا پرستانہ جمہوریت کی جو عملی تعبیر پیش کرتے ہیں وہ کہاں تک ہندوستان کے لیے اور کہاں تک دنیا کے لئے رحمت و برکت کی موجب ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ اپنے ہاں ایسا کوئی مفصل ہدایت نامہ نہ پائیں، تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ خدا نے آپ کے ہاں بھیجا نہیں تھا، بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اپنی طویل تاریخ کے انقلابات میں اسے یا اس کے ایک بڑے حصے کو آپ کھو بیٹھے ہیں۔ وہی چیز اسی خدا کی بھیجی ہوئی، ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس سے گھبرائیے نہیں، یہ آپ ہی کی کھوئی ہوئی چیز ہے جو ایک دوسرے ذریعہ سے آپ کے پاس واپس آئی ہے۔ آپ اسے پہچاننے کی کوشش کریں، اسے جانچیں، پرکھیں اور برت کر دیکھیں کہ اس میں واقعی آپ کی اور دنیا کی فلاح ہے یا نہیں۔

© rasailojaraid.com